مکالمہ۔ شرائط، ضوابط، حدود و قیود
سیرت طیبہ کی روشنی میں

ڈاکٹر سید عزیز الرحمن*

ABSTRACT:
Dialogue -conditions, rules and limitations in the light of Seerat e Taiyyaba SAW. We encounter many issues in this life and these issues are basically of two types. The first type of issues are those which are encountered by our predecessors with little or no difference. For this type, we have the experience and expertise of predecessors, lessons from history and books of scholars and their writings which give us clear guidelines to deal with these matters. The second type of issues are involved with continuous evaluation and modernization and we do not have any president or example set for them. For these problems we have set principles in Quran and sunnah but we do not have secondary details and guidelines available for their solution so we have to rely on ijtihad. In these matters of ijtihad the issues get more serious consideration because of the complexities and the sensitivities of the problems. There is always a chance of difference of opinion and one needs to be more careful. Those who appreciate these judgments by Ijtihad and those who use them for reference needs not to be in urgency and shall be very careful with focus on reasoning and patience to understand the reality.The topic under discussion emphasizes the carefulness of the issue and discusses different aspects of it and presents it to the World of scholars for their analysis and judgment.

سیرت طیبہ سے راہ نمائی ہر عہد کا وظیفہ ہے، یہ ایک ایسا فریضہ ہے، جس کی عدم ادائیگی خود انسان کے لئے محض دنیاوی اعتبار سے بھی گوناگوں خطرات، ناکامیوں اور نقصانات کا سبب بنتی ہے۔ قرآن حکیم نے جب یہ واضح اور حتمی اعلان فرمایا :

{لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا}(1)

تو اس میں یہ کہیں شرط عائد نہیں کی کہ یہ راہ نمائی محض عہد نبوت تک خاص ہے یا اس کا اطلاق پہلی صدی پر ہوگا کیوں کہ ختم نبوت کی صفت خاصہ کی وجہ سے ہر عہد عہد نبوی ہے اور یہ عہد قیام قیامت تک جاری رہے گا۔ اس بنا پر دیگر تمام احکاماتِ قرآنی کی طرح اسوہ نبوی اور اسوۂ حسنہ سے راہ نمائی بھی قیام قیامت تک جاری رہے گی۔ اس کائنات میں اپنے متعین ایام زیست گزارنے کے لئے انسان کو بہت سے معاملات سے واسطہ پیش آتا ہے۔ یہ تمام معاملات دو طرح کے ہوتے ہیں :

ایک تو وہ معاملات ہوتے ہیں جو ان سے پہلے گزرنے والے افراد کو بھی تھوڑے بہت فرق کے ساتھ پیش آتے رہے، ان معاملات کے لئے پیش روؤں کا تجربہ، تاریخ کا سبق اور اکابرین کی

---

* انچارج ریجنل سینٹر کراچی، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

1 سورۃ الاحزاب: 21

تحریریں کار آمد ثابت ہوتی ہیں اور ان معاملات میں راہ نمائی کی صورتیں نہایت واضح شکل میں موجود ہوتی ہیں۔

دوسری نوعیت کے معاملات اور مسائل وہ ہیں جو مرورِ زمانہ کے ساتھ پیدا ہورہے ہیں، ان کی مثال یا نظیر پہلے موجود نہیں تھی۔ ان معاملات میں اگرچہ اصولی ہدایات تو قرآن وسنت میں موجود ہوتی ہیں مگر ان کی جزئیات اور تفصیلات متعین کرنے کے لئے اجتہادی بصیرت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایسی صورت میں جہاں صلاحیتیں زیادہ صرف ہوتی ہیں، جہاں خاصے دقیق و عمیق غور و فکر سے کام لینا پڑتا ہے وہیں استدلال و استشہاد کے ضمن میں اختلاف رائے کی گنجائش بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے یہ معاملات سب کے لئے زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ لکھنے والوں اور ایسے موضوعات پر داد تحقیق دینے والوں کو بھی حد درجہ محتاط رہنا پڑتا ہے اور ان کی تحریروں اور نتائج تحقیق سے استفادہ کرنے والوں کے لئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ نتائج اخذ کرنے میں عجلت سے کام نہ لیں بلکہ غور و فکر کی روایت کو زندہ رکھیں اور صبر واستقامت کے ساتھ حقائق تک رسائی سے اس سفر کو منور کرتے رہیں۔

زیر بحث موضوع بھی ان ہی خصوصیات کا حامل ہے اور ہم سے حد درجہ احتیاط کا متقاضی ہے۔ ہم اس کے بہت سے پہلوئوں کو زیر بحث لائیں گے اور اپنے نتایج تحقیق اہل علم کے سامنے استصواب کی غرض سے پیش کریں گے۔

مکالمہ

مکالمہ آج کی عالم گیریت کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ لیکن مکالمہ کوئی نئی چیز نہیں، عہد نبوی میں بھی اس کی بعض صورتیں نظر آتی ہیں اور یہ صورتیں اس قدر تنوع رکھتی ہیں کہ ان سے آج کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے بہ سہولت اصول، ضوابط اور طریقِ کار اخذ کیے جاسکتے ہیں اور ان حدود و قیود کی نشان دہی کی جاسکتی ہے جو اس ضمن میں پیش نظر رہنی چاہئیں۔

نبی کریم علیہ السلام کے عہد مبارکہ میں بعثتِ نبوی کے وقت چار طرح کے بڑے گروہ پائے جاتے تھے۔

1) قریش مکہ جنہیں مشرکین مکہ بھی کہہ سکتے ہیں۔
2) نصاریٰ جن کی متمدن اور مستحکم ریاستیں قائم تھیں۔

3) یہود جن کی اکثریت اس وقت کے یثرب اور اس کے اطراف میں آباد تھی جو ہجرت نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے بعد مدینۃ النبی قرار پایا۔

4) اور وہ سعادت مندان یثرب جن کی مساعی سے یثرب مدینۃ النبی ﷺ بنا اور وہ خود زبان نبوت سے انصار کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں گرہوں کے ساتھ مختلف اوقات میں مکالمہ فرمایا۔ البتہ ان کے سماجی وسیاسی حالات و معاملات چوں کہ بڑی حد تک مختلف تھے اس لئے ان گرہوں سے مکالمے کی تفاصیل، اسلوب اور جزئیات مختلف ہیں۔ اور ہمیں ان تفاصیل سے عصر حاضر میں کئی طرح کی راہ نمائی ملتی ہے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان مکالمات کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیں اور ان سے حاصل ہونے والے اسباق و نتائج میں غور و فکر کریں۔ لیکن یہ پہلو ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے کہ یہ مکالمے بہت وسیع موضوع ہیں، ان کی تمام تفصیلات کو کسی ایک مضمون میں سمیٹنا ممکن نہیں اس لیے ہم یہود کی بحث کو ترک کرتے ہوئے باقی تین طبقات کے ساتھ مکالموں کی چند مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

مکالمہ مشرکین مکہ کے ساتھ

عہدی نبوی میں مکالمے کی تاریخ کا آغاز مشرکین مکہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمے اور مذاکرات سے ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان فرمایا اور کچھ عرصے کی خاموش تبلیغ کے بعد اللہ تعالیٰ نے علانیہ تبلیغ کے یہ احکام دیے۔

{ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ}[1]

(سو آپ کو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسے خوب کھول کر بیان کیجئے اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔)

اور

{وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ}[2]

(اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرایے۔)

1 سورۃ الحجر:94

2 سورۃ الشعراء:214

نبیٔ رحمت علیہ الصلاۃ والسلام نے اسلام کے اس عالم گیر پیغام کی علانیہ دعوت شروع کر دی۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے صفا پہاڑ پر وعظ فرمایا[1]۔ اپنے قریبی اعزا کی دعوت کی[2] اس علانیہ دعوت کے نتیجے میں دو طرح کا ردِ عمل سامنے آیا۔ ایک تو محدود تعداد میں اہل مکہ نے اسلام میں دل چسپی لینی شروع کی۔ دوسری جانب قریش مکہ کی غالب اکثریت نے اسے اپنے خلاف ایک تحریک تصور کیا اور اس نبوی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب آپ کی سرپرستی کر رہے تھے۔ اس دوران ہی مشرکین سے مکالمے کا آغاز ہو گیا۔ چناں چہ ایک روایتِ سیرت کے مطابق ان ہی دنوں کا قصہ ہے کہ آپ مسجد الحرام میں سے گزرے، مشرکین مکہ اس وقت بتوں کو سجدہ کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا "اے اہل قریش، خدا کی قسم تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت کی مخالفت کر رہے ہو"۔ مشرکین نے جواب میں کہا کہ ہم تو بتوں کی عبادت اللہ کی محبت میں کرتے ہیں تا کہ ہم اللہ کا قرب حاصل کر سکیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

{قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ}[3]

(آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کے خواہاں ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔)

لیکن یہ بات مشرکین مکہ کے لیے بالکل نئی تھی۔ وہ یہ بات قبول نہ کر سکے، پھر وہ ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے۔ ہمارے دین میں عیب نکالتا ہے۔ ہمیں احمق و نادان کہتا ہے اور ہمارے آباواجداد کو گمراہ بتاتا ہے۔ اب یا تو تم ان کو ان باتوں سے روکو یا ان کی حمایت ترک کر دو کیوں کہ تمہاری حالت بھی وہی ہے جو ہماری ہے۔ تمہارا دین اور

---

1 اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: البخاري، محمد بن إسماعيل أبو عبد الله الجعفي۔ الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه = صحيح البخاري۔ دار طوق النجاة، 1422ھ۔ كِتَابُ تَفْسِيرِ القُرْآنِ ، بَابُ قَوْلِهِ: {فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا} [النصر : 3]، رقم الحديث: 4971۔ ج6 ص179۔

2 اس واقعے کی تمام روایات اور ان پر بحث کے لیے دیکھیے: دکتور ضیا عمری۔ **السيرة النبوية**۔ مکتبہ العبیکان، ریاض ۲۰۰۵ء، ج۱، ص۱۴۲۔

3 سورۃ آل عمران: 31

عقائد بھی وہی ہیں جو ہمارے ہیں۔اس موقع پر جناب ابو طالب نے ان لوگوں کو نہایت نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا[1]۔

دوسری جانب نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے فریضہ دعوت کی ادائیگی جاری رکھی۔ مشرکین مکہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔انہوں نے ایک بار پھر ایک وفد ترتیب دیااور ابو طالب کے پاس آکر کہنے لگے :اے ابو طالب آپ عمر میں بھی ہم سب سے بڑے ہیں۔آپ کی عزت و مرتبہ بھی ہم سب سے بلند ہے۔ ہم سب نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روکیں، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ خدا کی قسم اب ہم اپنے معبودوں کی مذمت اور اپنے آباواجداد کی تذلیل پر صبر نہیں کر سکتے۔اب یا تو تم ہمارے درمیان میں نہ پڑو، ہم خود سمجھ لیں گے یا پھر تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔یہ کہہ کر وہ لوگ غصے میں اٹھ کر چلے گئے۔

یہ مرحلہ جناب ابوطالب کے لیے سخت پریشانی کا تھا کہ ساری قوم سخت ناراض اور دشمن ہو گئی۔ چناں چہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ابو طالب نے کہا"اے پیارے بھتیجے تمہاری قوم کے لوگ جمع ہو کر میرے پاس آئے تھے اور یہ یہ باتیں کہہ کر گئے ہیں۔ لہٰذا تم مجھ پر نا قابل برداشت بوجھ نہ ڈالو۔ چچا کی گفتگو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ اب یہ اپنے آپ کو کفار کے مقابلے میں کمزور محسوس کر رہے ہیں۔اس لئے میری حمایت سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت عزم اور حوصلے سے ہمیں یہ تاریخی جملہ عطا فرمایا۔"اے چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں اور یہ کہیں کہ میں احکامِ الٰہی کی تبلیغ چھوڑ دوں تو یہ نہیں ہو سکتا، یا تو خدا کا دین غالب ہو گا اور شرک وبت پرستی ختم ہو جائے گی یا پھر میں نہ رہوں گا اور ہلاک کر دیا جاؤں گا۔ "

---

1 ابن هشام، عبد الملك بن هشام بن أيوب الحميري المعافري، أبو محمد، جمال الدين (المتوفى: 213ھ)۔السيرة النبوية۔ مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده۔ج1ص256۔/الحلبي، علي بن إبراهيم بن أحمد، أبو الفرج، نور الدين ابن برهان الدين (المتوفى: 1044ھ)۔إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون = السيرة الحلبية۔بيروت: دار الكتب العلميه، 1427ھ۔ابن سيد الناس، محمد بن محمد بن محمد بن أحمد، ، اليعمري الربعي، أبو الفتح، فتح الدين (المتوفى: 734ھ)۔ عيون الأثر في فنون المغازي والشمائل والسير۔بيروت: دار القلم، 1414ھ۔ج1ص177۔

یہ کہ کر آپ ﷺ آب دیدہ ہو گئے اور اٹھ کر چل دیے۔ ابو طالب پر آپ ﷺ کی استقامت کا بہت اثر ہوا۔ انہوں نے آپ کو آواز دے کر واپس بلایا۔ پس جب آپ واپس آئے تو ابو طالب نے کہا۔ ''اے پیارے بھتیجے تم جو چاہو کہو اور کرو میں تمہیں کبھی دشمنوں کے حوالے نہ کروں گا[1]۔

اس دوسرے واقعے کو جو در حقیقت پہلے واقعے کا ہی تسلسل تھا ہم مشرکین مکہ کے ساتھ نبیَ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا مکالمہ قرار دے سکتے ہیں جس میں کفار مکہ نے اپنے مطالبات ابو طالب کی وساطت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھے اور آپ ﷺ نے ان مطالبات کی نوعیت دیکھتے ہوئے انہیں تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ کیوں کہ یہ مطالبے آپ ﷺ کی مشن کے خلاف تھے اور کفار مکہ سے سمجھوتے کا مقصد اپنے ربانی مشن اور پیغمبرانہ دعوت سے مکمل دست برداری تھی۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے اتنے سخت الفاظ میں اپنا موقف ابو طالب کے سامنے پیش کیا۔ آپ کا یہ جملہ ہمارے لئے غور و فکر کا بہت سامان رکھتا ہے :

يَا عَمٌّ، وَاَللَّهِ لَوْ وَضَعُوا الشمسَ فِي يَمِينِي، والقمرَ فِي يَسَارِي عَلَى أَنْ أَتْرُكَ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يُظهره اللَّهُ، أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ مَا تَرَكْتُهُ[2]

اس میں جہاں ایک جانب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقلال مزاج اور بے مثال شجاعت کی شہادت موجود ہے وہیں ہمارے لئے یہ سبق بھی پنہاں ہے کہ مکالمۂ بین المذاہب کا مقصد اپنے اساسیات، اصولوں اور مسلّمات کو ترک کرنا نہیں ہے، ہاں ایسے مباحث پر یقینا گفتگو اور تبادلۂ خیال ہو سکتا ہے جو باہمی دل چسپی کے امور ہوں اور جن میں مکالمے کے سب فریق دل چسپی رکھتے ہوں یا ان کے مفادات وابستہ ہوں یا ان سے مستقبل کے حوالے سے ان کو خطرات در پیش ہوں۔

---

1 ابن ہشام۔ ج1 ص257۔/ عیون الاثر۔ ج1 ص118۔

2 ابن ہشام۔ السیرۃ النبویۃ۔ ج1 ص257۔

مشرکین مکہ کے ساتھ مکالمے کا یہ آغاز تھا۔ یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔ چناں چہ کچھ عرصے بعد مشرکین مکہ تیسری مرتبہ ابو اطالب کے پاس آئے اور اس بار انہوں نے ابو طالب کو ایک عجیب پیش کش کی۔ چنانچہ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب کفار کو یقین ہو گیا کہ ابو طالب آپ ﷺ کی حمایت وامداد سے دست بردار نہیں ہوں گے اور آپ ﷺ کو مشرکین کے حوالے نہیں کریں گے تو وہ آپس میں مشورہ کرکے عمارہ بن ولید کو ساتھ لے کر تیسری بار ابو طالب کے پاس آئے اور کہا "اے ابو طالب ہم تمہارے پاس عمارہ بن ولید کو لائے ہیں جو قریش کا نہایت حسین و جمیل اور سب سے زیادہ عقل مند نوجوان ہے۔ تم اس کو بیٹا بنالو یہ تمہارے لئے ہے اور اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کردو جس نے تمہارے اور ہمارے آباواجداد کے دین کی مخالفت کرکے قوم میں تفریق ڈال دی اور اس کے عقل مندوں کو بے وقوف و نادان کہتا ہے۔ ہم اس کو قتل کرکے قوم کو اس مصیبت سے نجات دلادیں گے۔ جناب ابو طالب نے کہا "خدا کی قسم یہ تو بدترین سودا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنے پالے ہوئے بیٹے کو تو قتل کے لئے تمہارے حوالے کردوں اور تمہارے بیٹے کو لے کر تمہارے لئے اس کی پرورش کروں۔ خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ "اس پر مطعم بن عدی نے کہا "اے ابو طالب آپ کی قوم نے آپ کے سامنے ایک منصفانہ رائے پیش کرکے اس مصیبت سے بچنے کی بہترین کوشش کی ہے مگر آپ نے اس کو قبول نہیں کیا، "ابو طالب نے کہا! "خدا کی قسم میری قوم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا اور اے مطعم تو ہی ہمیں ذلیل کرنے کے لئے قوم کو بھڑکا کر یہاں لایا ہے۔ جاؤ تم جو کر سکتے ہو کر گزرو"[1]

یہ بھی مکالمے کی ایک شکل تھی لیکن اس کا فوری اور مثبت نتیجہ نہیں برآمد ہو سکا۔ اس موقع پر اس مکالمے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہ راہ راست شریک نہیں ہوئے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی شرکت کا موقع ہی نہیں آیا اور چچا ابو طالب نے از خود اس خلافِ عقل، خلاف دستور اور حد درجہ ناانصافی پر مبنی اس تجویز کو رد کر دیا۔ لیکن ایسی نامناسب تجاویز بار بار سامنے آنے کے باوجود گفتگو کا یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا، بلکہ برابر جاری رہا۔ چنانچہ اسی سلسلے کا ایک اور واقعہ بھی کتبِ سیرت و تاریخ میں ہمیں ملتا ہے۔

---

1 ابن ہشام۔ السیرۃ النبویۃ۔ ج1 ص258۔

جب مشہور قول کے مطابق سن ٦ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور تین دن کے وقفے سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے اور یوں اسلام کی تقویت اور مسلمانوں کی ہمت افزائی کا باعث بنے تو مشرکین مکہ نے افہام و تفہیم کی آخری کوشش کی۔ یہ الگ بحث ہے کہ چونکہ ان کے مقاصد درست نہ تھے، ان کی نیت میں بھی کھوٹ تھا اور ان کا طریقہ کار بھی نبوی دعوت واسلوب سے مطابقت نہ رکھتا تھا اس لئے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ مگر جیسا کہ آگے چل کر ذکر ہے کہ اس مکالمے کے بعض اچھے نتائج بہ ہر کیف مرتب ہوئے۔

واقعہ یہ ہے کہ قریش کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کرکے اپنے ایک معزز سردار ابوالولید عتبہ بن ربیعہ کو جو شعر گوئی، کہانت اور سحر میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لئے تیار کیا۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام میں تنہا بیٹھے تھے اور قریش دارالندوہ میں جمع تھے، عتبہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی شرافت نسبی اور مرتبہ میں کسی کو کلام نہیں لیکن آپ نے ایک بڑی بات پیش کردی ہے جس سے قوم میں تفریق پیدا ہوگئی ہے۔ آپ ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں ہمارے آباواجداد کو احمق اور نادان بتاتے ہیں، آپ نے ہمیں عرب میں رسوا کردیا ہے، اب وہ کہتے ہیں کہ قریش میں بھی ساحر و کاھن موجود ہیں، میں اس بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، آپ میری بات توجہ سے سنیں جو امور میں آپ کے سامنے رکھوں گا اگر ان میں سے کوئی بات آپ نے قبول کرلی تو فساد رک جائے گا"۔ آپ نے فرمایا اے ابوالولید کہو میں سنتا ہوں۔

عتبہ نے کہا۔ "اے میرے بھتیجے! نبوت کے دعوے سے اگر آپ کا منشا مال و دولت جمع کرنا ہے تو ہم سب مل کر آپ کے لئے اتنا مال جمع کردیں گے کہ ہم میں سے کوئی بھی آپ کی برابری نہیں کرسکے گا، اگر آپ شرف و سرداری چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کرلیں گے، کوئی شخص آپ کی مرضی کے خلاف کام نہیں کرے گا، اگر آپ کی غرض بادشاہ بننا ہے تو ہم آپ کو بادشاہ مقرر کرلیں گے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ اگر آپ شادی کرنا چاہتے ہیں تو جس عورت سے یا جتنی عورتوں سے آپ چاہیں گے ہم شادی کردیں گے۔ اگر آپ کو ان میں سے کسی چیز کی خواہش نہ ہو بلکہ یہ باتیں جنون کی وجہ سے ہوں تو ہم سب مل کر کسی کامل طبیب کو بلا کر آپ کا علاج کرائیں گے تاکہ آپ کو صحت ہوجائے، بعض اوقات بیماریاں سمجھ میں نہیں آتیں مگر کسی کامل طبیب سے علاج کرانے پر صحت ہوجاتی

ہے۔ عتبہ اپنی بات ختم کر کے خاموش ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ "اے ابو الولید کیا تم کہہ چکے جو کہنا چاہتے تھے"۔ ابو الولید نے کہا کہ ہاں میں کہہ چکا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اب میں جو کہتا ہوں وہ سنو مجھے نہ تمہارے مال و دولت کی ضرورت ہے اور نہ تمہاری بادشاہت و سرداری کی اور نہ میرے دماغ میں خلل ہے۔ مجھے اللہ نے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور ایک کتاب مجھ پر اتاری ہے، مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں برائی سے ڈراؤں اور بھلائی کی نصیحت کروں۔ میرا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ اگر تم اس کو قبول کرو گے تو یہ تمہارے لئے دنیا و آخرت کی سعادت و فلاح کا ذریعہ ہے اور اگر انکار کرو گے تو میں صبر کروں گا اور اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا۔ اس کے بعد آپ نے سورہ حم سجدہ کی ۳۸ آیتیں، آیت ۱ تا ۳۸ تلاوت فرمائیں!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے رہے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پشت کی جانب زمین پر ٹیک کر سننے میں محو تھا۔ آپ نے سجدہ کی آیت تک تلاوت کر کے سجدہ کیا۔ پھر عتبہ سے فرمایا کہ اے عتبہ تم نے سن لیا اب غور کرو کہ ہمیں اور تمہیں کیا کرنا چاہیئے۔ عتبہ اسی کیفیت میں وہاں سے اٹھ کر قریش کے سرداروں کے پاس آیا۔ عتبہ کو دیکھ کر ابو جہل نے کہا کہ عتبہ وہ عتبہ نظر نہیں آتا۔ عتبہ تو صابی (بے دین) ہو گیا۔ عتبہ نے کہا کہ میں نے ان کا کلام سنا ہے خدا کی قسم میں نے ایسا کلام اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ واللہ نہ وہ شعر ہے اور نہ سحر ہے اور نہ کہانت۔ پس خدا کی قسم یہ کلام اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عن قریب اس کی ایک شان ہو گی۔ اے قریش کے لوگو! تم میرا کہا مانو۔ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے نہ پڑو، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر یہ شخص غالب آ گیا تو اس کا غلبہ تمہارا غلبہ ہے اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے اور اس کی حکومت تمہاری حکومت ہے، اس لئے کہ وہ تمہاری ہی قوم میں سے ہے اور اگر وہ مغلوب ہوا تو تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا، تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ قریش نے کہا اے ابو الولید عتبہ اس شخص نے تمہیں اپنے کلام سے مسحور کر دیا۔ عتبہ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی رائے ظاہر کر دی اب تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو[1]۔

1 ابن ہشام۔ السیرۃ النبویۃ۔ ج1 ص294۔

جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا کہ اس گفت گو سے اگرچہ بہ ظاہر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ مگر اس کے مثبت اثرات ضرور مرتب ہوئے۔ سب سے پہلے بات تو یہ ہوئی کہ قریش کا نمائندہ اور ترجمان عتبہ بن ربیعہ جو ان کا سب سے جہاں دیدہ، محترم اور صاحب فہم و فراست سردار تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفت گو اور پیغام سے متاثر ہوا۔ روایات میں یہ الفاظ آتے ہیں :

وقد أنصت عتبة لها وألقى يديه خلف ظهره معتمدا عليهما يسمع منه[1]

دوسری بات یہ ہوئی کہ قریش اور مشرکین مکہ کی عام رائے کے بالکل برعکس پہلی بار ان ہی کے نمائندے اور ترجمان نے ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کے بارے میں یہ رائے پیش کی :

إني سمعت قولا والله ما سمعت مثله قط والله ما هو بالشعر ولا بالسحر ولا بالكهانة[2]

یہ اس حوالے سے ایک اہم پیش رفت تھی کہ مشرکین مکہ کے سامنے پہلی بار ایک صحیح رائے ان کی نظر میں ایک غیر جانب دار ذریعے سے سامنے آئی، گو کہ حسبِ عادت انہوں نے اسے رد کیا مگر کیا عجب کہ بعد میں جب مشرکین مکہ بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے تو ان میں بہت سوں کی ذہن سازی میں شعوری یا لاشعوری طور پر اس رائے کا بھی کردار رہا ہو۔

مشرکین مکہ کے ساتھ مکالمے کی ایک اور اہم ترین صورت صلح حدیبیہ کے واقعے میں نظر آتی ہے۔ صلح حدیبیہ کا واقعہ ٦ ہجری میں پیش آیا۔ مسلمانوں کو مکہ مکرمہ چھوڑے ٦ برس ہو چکے تھے۔ ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ عمرہ ادا کر رہے ہیں، خواب دیکھتے ہیں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کا ارادہ کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کا علم صحابہ کو ہوا تو وہ بھی ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ یوں ١٤ سو صحابہ کا قافلہ احرام باندھ کر قربانی کے جانور ساتھ لے کر چل پڑا۔ یہ حرمت کے مہینے تھے، کیوں کہ ذی قعدہ کا مہینہ تھا، عربوں کے قاعدے کی رو سے بھی قربانی کے جانور ہم راہ لانے والوں کو حالت احرام میں بیت اللہ کی زیارت سے نہیں روکا جا سکتا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاکید بھی فرما دی کہ کوئی ہتھیار لے کر نہ چلے، تلوار بھی نیام میں ہونی

1 ایضاً۔
2 ابن ہشام۔ السیرۃ النبویۃ۔ ج1 ص294۔

چاہیئے، ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اہتمام تھا مگر قریش کو علم ہوا تو انہوں نے لڑائی کی تیاری شروع کر دی اور فیصلہ کر لیا کہ مسلمانوں کو حدود حرم میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اگرچہ ان کا یہ فیصلہ سراسر ہٹ دھرمی پر مبنی تھا مگر انہیں مہنگا پڑا، ہر فیصلہ ان کے خلاف گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا کہ قریش مسلمانوں کو حرم میں داخل نہیں ہونے دیں گے تو آپ نے پیغام بھجوایا کہ ہم صرف عمرے کے لئے آئے ہیں ہم لڑنا نہیں چاہتے۔ اگر صلح کر لیں تو ہم سب کے لئے بہتر ہے، ایسے میں کئی نمائندے آئے اور ابتدائی بات چیت ہوئی، اس مقصد کے لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پاس بھیجا، ادھر یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے، حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا، اب صورتِ حال تبدیل ہو چکی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا اور آپ نے ان کا بدلہ لینے کے لئے ایک درخت کے نیچے صحابہ سے بیعت لی۔ یہ بیعت بیعتِ رضوان کہلاتی ہے اور اسے قرآن نے نہایت اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس بیعت میں شریک صحابہ کرام کے لئے رضا اور خوش نودی کی بشارت دی ہے۔ فرمایا :

{لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا}(1)

(البتہ اللہ ایمان والوں سے راضی ہو گیا، جب کہ وہ اس درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، پھر اس نے معلوم کر لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پھر ان پر سکینت اتاری اور ان کو نزدیک آنے والی فتح دی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی دے گا جن کو وہ لیں گے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔)

اس بیعت کے بعد علم ہوا کہ یہ خبر درست نہیں تھی مگر اس بیعت کے منظر نے قریش پر ہیبت طاری کر دی اور وہ صلح پر آمادہ ہو گئے، صلح کی شرائط طے ہوئیں مگر بہ ظاہر سب مسلمانوں کے خلاف تھیں۔

صلح کی شرائط یہ تھیں :

1 سورۃ الفتح:18

1 دس سال تک دونوں فریقوں میں جنگ بند رہے گی، اس دوران کوئی ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے گااور نہ کوئی کسی سے خیانت کرے گا۔

2 مسلمان اس سال عمرہ کئے بغیر واپس چلے جائیں گے، آئندہ سال آئیں اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہ لائیں سوائے تلوار کے اور وہ بھی نیام یا غلاف میں ہو۔ صرف تین دن مکہ مکرمہ میں قیام کریں اور عمرہ کرکے واپس چلے جائیں۔

3 قریش کا جو شخص اپنے ولی یا آقا کی اجازت کے بغیر بھاگ کر مدینے جائے گا اس کو واپس کیا جائے گا اگرچہ وہ مسلمان ہو کر جائے۔

4 محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس مکہ چلا جائے گا اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

5 عرب قبائل کو اختیار ہوگا کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں معاہدے میں شریک ہو جائیں۔

6 جو مسلمان پہلے سے مکے میں مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور اگر مسلمانوں کا کوئی شخص مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو روکا نہ جائے[(1)]۔

نصاریٰ کے ساتھ مکالمہ

مکالمے کے حوالے سے دوسرا اہم ترین عنوان نصاریٰ کا ہے۔ نصاریٰ کے حوالے سے اگر مکالمے کی تاریخ مرتب کی جائے تو یہ خود اہم اور تفصیلی موضوع ہے، یہاں اختصار کے پیش نظر صرف چند حوالے پیش کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ سب جانتے ہیں کہ عرب میں سب سے بڑا قبیلہ قریش کا تھا۔ اہل قریش فہم و فراست اور سخاوت و شجاعت میں مشہور تھے اور بیت اللہ کے مجاور بھی تھے مگر اسلام کی عداوت و مخالفت پر کمربستہ تھے۔ فتح مکہ کے بعد سارے عرب کے خیالات میں ایک عظیم تغیر واقع ہوا اور قریش نے اسلام کی اطاعت قبول کرلی۔ ادھر عرصے سے عرب قبائل کی نظریں قریش پر لگی ہوئی تھیں۔ فتح مکہ کے بعد اہل عرب کو یقین ہو گیا کہ اسلام ہی سچا اور اللہ کا دین ہے اور یہ کہ یہ دین

---

1 ابن کثیر، إسماعيل بن عمر القرشي البصري، أبو الفداء (المتوفى: 774ھ)۔ الفصول في السيرة۔ مؤسسة علوم القرآن 1403ھ۔ ص185۔

ضرور تمام عالم میں پھیل کر رہے گا۔ فتح مکہ کے بعد ہی جب بنو ثقیف بھی دئرۂ اسلام میں آگئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی تو عرب قبائل میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ اس دوران عرب قبائل کے وفود کثرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس لیے ۹ ہجری کو عام الوفود کہا جاتا ہے[1]۔

قرآن کریم کی سورت النصر میں اس کی طرف اشارہ ہے :

{إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ (1) وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (2) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (3)}[2]

(جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتا دیکھیں تو آپ اللہ کی تسبیح اور تحمید اور استغفار میں مشغول ہو جائیں، بے شک اللہ بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔)

نجران یمن میں ایک بہت بڑا شہر تھا جو مکہ مکرمہ سے سات منزل کے فاصلے پر تھا۔ تہتر قصبے اور گاؤں اس کے تابع اور اس سے ملحق تھے۔ سب سے پہلے نجران بن زید بن یَشْجُبْ بن یعرب بن قحطان یہاں آکر آباد ہوا۔ اس لئے یہ شہر اسی کے نام سے موسوم ہو گیا۔ نجران کے کئی وفود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، چنانچہ اس سلسلے کی روایات کو سامنے رکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ نجران کے عیسائیوں کے دو وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

سب سے پہلے آپ ﷺ نے اہل نجران کو دعوت اسلام کا ایک خط تحریر فرمایا۔ جب نجران کے عیسائیوں کے بڑے پادری اُسْقُفْ نے اس خط کو پڑھا تو اس کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس نے فوراً نجران کے ایک اور شخص شُرَحْبِیْل بن وَدَاعَہ کو بلوایا۔ وہاں روایت تھی کہ ہر اہم معاملے میں حاکم یا مشیر یا پادری سب سے پہلے اسی سے مشورہ کرتے تھے۔ اُسْقُفْ نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دیا۔ جب اس نے اس خط کو پڑھ لیا تو اسقف نے کہا کہ اے ابو مریم اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیم سے وعدہ کر رکھا ہے کہ حضرت

---

1 ابن قیم، محمد بن أبي بکر بن أیوب بن سعد شمس الدین الجوزیۃ (المتوفی: 751ھ)۔ زاد المعاد في هدي خیر العباد۔ بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1415ھ۔ ج3 ص428۔

2 النصر: 1-3

اسماعیل کی اولاد میں ایک نبی ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وہی نبی ہوں۔ نبوت کے متعلق میں کیا رائے دے سکتا ہوں، کوئی دنیاوی بات ہوتی تو میں اس پر غور کرتا اور اپنی رائے دیتا۔

اس کے بعد اسقف نے ایک اور شخص عبداللہ بن شُرَحْبِیْل کو بلوایا یہ اہل نجران میں حِمْیَرْ قبیلے کا معزز شخص تھا۔ اس نے بھی وہی رائے دی۔ پھر اسقف نے جبار بن فیض کو بلوایا، یہ بنو حارث بن کعب میں سے تھا۔ اس کو بھی اسقف نے آپ ﷺ کا خط دکھا کر اس کی رائے معلوم کی، اس نے بھی اسی طرح کی رائے ظاہر کی۔ جب اسقف نے یہ تمام آراسنیں تو اس نے حکم دیا کہ گھنٹے بجائے جائیں اور گرجا پر ٹاٹ کے پردے لٹکا دئے جائیں۔ اس وقت ان کا دستور تھا کہ جب انہیں کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو لوگوں کو بلانے کے لئے دن کے وقت تو گھنٹے بجائے جاتے اور گرجا پر ٹاٹ کے پردے لٹکا دئے جاتے اور اگر رات کا وقت ہوتا تو گھنٹے بجائے جاتے اور پہاڑ پر آگ روشن کی جاتی۔ جب سب لوگ جمع ہوگئے تو اسقف نے آپ ﷺ کا نامہ مبارک سب کو پڑھ کر سنایا اور حاضرین کی رائے لی۔ چناں چہ سب کے مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ شرحبیل بن وداعہ ہمدانی، عبداللہ بن شرحبیل اصبحی اور جبار بن فیض حارثی کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا جائے جو وہاں حالات معلوم کر کے سب کو بتائیں۔

یہ حضرات مدینے پہنچ کر جب مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو انہوں نے حِبَرَۃ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور چادروں کے کناروں پر ریشم لگا ہوا تھا اور ان کے ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں پہنی ہوئی تھیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو سلام کیا تو آپ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا اور ان سے اعراض فرمایا۔ یہ لوگ دن کے بڑے حصے تک آپ سے کلام نہ کر سکے۔ یہ لوگ حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن کو پہلے سے جانتے تھے۔ ان لوگوں نے ان کے پاس جا کر ان سے کہا کہ تمہارے نبی نے ہمیں خط لکھا تھا ہم اسی کے جواب میں آئے ہیں۔ ہم نے آکر ان کو سلام کیا تم انہوں نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا۔ تمہاری کیا رائے ہے، کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم واپس چلے جائیں۔ ان دونوں نے ان کے بارے میں حضرت علی سے رائے لی جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ حضرت علی نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ ریشمی جبے اور سونے کی انگوٹھیاں اتار کر عام سفری لباس پہن کر آپ کی خدمت میں جائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر

آپ کو سلام کیا تو آپ نے جواب دیا۔ پھر وہ سوال کرتے رہے اور آپ ان کے سوالوں کے جواب دیتے رہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ آپ حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ آج میں ان کے بارے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تم انتظار کرو یہاں تک کہ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ ان کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ پھر اللہ نے قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل فرمائیں :

{إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (59) الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (60) فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (61)}[1]

(بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثال جیسی ہے کہ ان کو مٹی سے بنایا پھر اس سے کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔ حق وہی ہے جو آپ کے رب کی طرف سے ہے پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ پھر علم آجانے کے بعد بھی جو کوئی اس (عیسیٰ کے بارے میں) آپ سے بحث کرے تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اور خود ہم بھی اور تم بھی جمع ہو جائیں۔ پھر ہم خوب گڑ گڑائیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔)

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ مباہلے کے لئے تیار ہو گئے اور اگلے روز آپ حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت فاطمہ الزہرا اور حضرت علی کو لے کر باہر تشریف لے آئے۔ نجران کے عیسائی آپ کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور آپس میں مشورے کے لئے آپ سے مہلت مانگی۔ پھر وہ علیحدہ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ شرحبیل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس شخص کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا آسان نہیں۔ میرے خیال میں اگر یہ بادشاہ ہے تب بھی اس سے مباہلہ کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ تمام عرب میں ہم ہی اس کی نگاہ میں کھٹکتے رہیں گے اور اگر یہ نبی مرسل ہے تو اس کی لعنت کے بعد ہم بالکل ہلاک و برباد ہو جائیں گے اس لئے میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ہم اس کی ماتحتی قبول کر لیں اور جزیے کی رقم کا فیصلہ بھی اسی پر چھوڑ دیں کیونکہ جہاں تک میں سمجھا ہوں یہ سخت مزاج نہیں ہے۔ شرحبیل کے دونوں ساتھیوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا

1 آل عمران: 59-61

کہ ہمارے خیال میں مباہلے سے بہتر یہ ہے کہ آپ ہمارے لئے جو مناسب اور بہتر خیال کریں وہ آپ کل صبح تک ہم پر مقرر فرمادیں۔ چنانچہ اگلے روز آپ ﷺ نے ان پر جزیہ مقرر فرمادیا اور ان کے لئے ایک معاہدہ تحریر کرایا جسے حضرت مغیرہ نے لکھا اور ابو سفیان بن حرب، عیلان بن عمرو، مالک بن عوف اور اقرع بن حابس نے اس معاہدے پر دستخط کئے۔ معاہدے کی خاص خاص باتیں یہ ہیں۔

1 اہل نجران رسول اللہ ﷺ کے زیر فرمان رہیں گے۔ زمین کی پیداوار، دینار و درہم اور غلاموں کے بارے میں وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔

2 اہل نجران ہر سال دو ہزار حلے ادا کریں۔ ایک ہزار، رجب کے مہینے میں اور ایک ہزار صفر کے مہینے میں اور ہر حلے کی قیمت ایک اوقیہ یعنی ۴۰ درہم ہوگی۔

3 اہل نجران پر آپ کے قاصد کے رہنے کا انتظام لازم ہوگا اور کوئی قاصد ایک مہینے سے زیادہ نہ روکا جائے گا۔

4 اگر یمن میں کوئی شورش یا فتنہ پیش آجائے تو اہل نجران پر تیس زرہیں، تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریتاً دینا لازم ہوگا جو بعد میں واپس کر دیے جائیں گے۔ اگر ان میں سے کوئی چیز ہلاک یا ضائع ہوگئی تو اس کا ضمان آپ کے آدمی پر لازم ہوگا جب تک کہ ادا نہ کر دے۔

5 اللہ اور اس کا رسول ﷺ اہل نجران کے جان و مال کی حفاظت کے ذمے دار ہوں گے۔ ان کی جان، مذہب، زمین، جائیداد کے متعلق ان سب کو جو حاضر ہیں یا غائب ہیں صاحب قبلہ ہیں یا اتباع کرنے والے ہیں، ان کی حالت اور حقوق میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی اور جو کچھ کم یا زیادہ ان کے قبضے میں ہے اسے بدلا نہ جائے گا۔ جاہلیت کے کسی خون کا ان سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ کوئی ان پر حملہ نہیں کرے گا اور ان کے علاقے میں کوئی لشکر داخل نہیں ہوگا۔

6 ان میں سے جو شخص حق کا مطالبہ کرے گا تو ظالم و مظلوم کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔

7 جو شخص سود کھائے گا تو میرا ذمہ اس سے بری ہے۔

8 اگر کوئی ظلم و زیادتی کرے گا تو اس کے ظلم کے بدلے میں دوسرا شخص ماخوذ نہ ہوگا۔

9 ان تمام باتوں پر جو اس صحیفے میں ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمے ہے جب تک وہ اس پر قائم رہیں[1]۔

یہ مکالمہ نجران کے عیسائیوں سے ان کے پہلے وفد کی آمد کے موقع پر ہوا۔اسی مکالمے کے نتیجے میں جو حقوق نجران کے عیسائیوں کو عطا کیے گئے، وہ تاریخِ انسانی میں منفرد حیثیت رکھے ہیں۔اس کے بعد دوسرا وفد بھی ان کی جانب سے حاضر خدمت ہوا۔ چناں چہ ابن اسحاق کرز بن علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ نجران کا ایک وفد جس میں ۶۰ آدمی تھے جن میں سے ۲۴ نجران کے شرفا اور معززین تھے اور اس وفد میں تین شخص ایسے تھے جنھیں تمام اختیارات حاصل تھے۔ان تینوں میں سے ایک کا نام عبد المسیح اور لقب عاقب تھا۔ یہ اپنی قوم کا امیر، صاحب رائے اور صاحب مشورہ تھا۔ دوسرا شخص ایہم اور لقب سید تھا، تیسرا شخص اسقف ابو حارثہ بن علقمہ تھا جو عرب کے قبیلے بنی بکر بن وائل سے تھا۔اس نے عیسائی مذہب اختیار کر کے ان کی کتابیں پڑھیں اور اس میں کمال حاصل کیا۔ شاہان روم بھی نصرانی تھے، جب ان کو اس کے علم و فضل اور دینی پختگی کا حال معلوم ہوا تو وہ اس کی بڑی تعظیم و تکریم کرنے لگے اور اس کی خوب خدمت کی اور اس کو بڑی بڑی جاگیریں دیں اور اس کو گرجا کا بڑا پادری مقرر کیا[2]۔

جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو انہوں نے آپ سے ایک تحریر حاصل کی جس میں ان کی عبادت گاہوں اور پادریوں کے بارے میں زیادہ وضاحت تھی اس تحریر کا ترجمہ ہے :

اللہ کے نام سے جو رحمن ورحیم ہے، یہ تحریر اللہ کے نبی محمد ﷺ کی طرف سے اسقف ابوالحارث کے لئے ہے۔ نجران کے دیگر اسقفوں، کاہنوں، راہبوں، ان کے معتقدوں، غلاموں، اس مذہب والوں اور ان کم یا زیادہ چیزوں کے متعلق جو ان کے ہاتھ میں ہیں سب کو اللہ اور اس کے رسول کی حفاظت حاصل ہوگی۔ گرجا کے چھوٹے بڑے عہدہ داروں میں سے کسی کو بدلا نہیں جائے گا، کسی

1 ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع الھاشمی بالولاء، البصري، أبو عبد اللہ (المتوفی:230ھ)۔الطبقات الکبری۔بیروت: دار الکتب العلمیۃ،1410ھ۔ج1ص268۔

2 ابن کثیر۔البدایۃ والنھایۃ۔بیروت: دار احیاء التراث العربي،1408ھ۔ج2ص83۔

کے حق میں یا اختیارات میں مداخلت نہیں کی جائے گی، ان کی موجودہ حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔ بشرطیکہ وہ رعایا کے خیر خواہ رہیں اور نہ ظالم کا ساتھ دیں اور نہ خود ظلم کریں[1]۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر کوئی طویل مکالمہ نہیں ہوا، رسمی گفتگو کے بعد ایک معاہدہ طے پایا، بہرکیف معاہدے کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اس معاہدے سے قبل کچھ سوال و جواب اور مکالمے کی نوبت ضرور آئی ہو گی۔ واللہ اعلم

انصار کے ساتھ مکالمہ

تیسرا اہم گروہ انصارِ مدینہ کا ہے، جس کے ساتھ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روابط اس درجے کے ہوئے کہ مکالمے کی نوبت آئی۔ قبائل کو دعوتِ اسلام ہی دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انصار مدینہ سے تعلق کی ابتدا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین سال تک خفیہ تبلیغ فرماتے رہے، چوتھے سال آپ ﷺ نے علی الاعلان تبلیغ شروع فرمائی، پھر آپؐ نے موسمِ حج میں لوگوں کو تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ آپؐ ان ایام میں باہر سے حج کے لئے آنے والے افراد کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور فرداً فرداً ہر قبیلے کے پاس جاتے اور انہیں بتاتے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ اور انہیں کہتے کہ تم میری تصدیق اور حمایت کرو، یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب آجائے اور حق سب پر ظاہر ہو جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوران بہت سے قبیلوں سے مکالمہ کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ اور ان سے حمایت طلب کی۔ ان قبائل میں، بنو عامر بن صعصعہ، بنو محارب بن خصفۃ، بنو فزارہ، بنو غسان، بنو مرۃ، بنو حنیفہ، بنو سُلیم، بنو عبس، بنو نضر، بنو بکاء، بنو کندہ، بنو کلب، بنو حارث بن کعب، بنو عذرۃ، بنو حضارمۃ، شامل ہیں۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی اسلام قبول نہیں کیا[2]۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی ذہل بن شیبان کے لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو دعوت اسلام دی، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ آپ کے ہم راہ تھے۔ مفروق بن عمرو اور ہانی بن قبیصہ،

---

1 ایضاً۔ ج5 ص67۔

2 ابن قیم۔ زاد المعاد في هدي خير العباد۔ ج3 ص39۔

اس قبیلے کے سرداروں میں سے تھے۔ پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور مفروق کے درمیان چند سوال وجواب ہوئے، پھر حضرت ابو بکرؓ نے مفروق سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیا تمہیں ان کی رسالت اور نبوت کی خبر ملی ہے؟ مفروق نے کہا کہ میں نے آپ کا تذکرہ سنا ہے۔ پھر اس نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ اس پر آپ ؐ آگے بڑھے اور فرمایا کہ اللہ کو وحدہ لا شریک اور مجھے اس کا رسول مانو اور اس کے دین کی حمایت کرو۔ قریش نے اللہ کا حکم ماننے سے انکار کیا اور اس کے رسول کو جھٹلایا اور باطل کے نشے میں حق سے مستغنی ہو گئے۔ اور اللہ سب سے زیادہ بے نیاز ہے۔ مفروق نے کہا آپ اور کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے سورہ انعام کی یہ آیت تلاوت فرمائی :

{قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ}(1)

(آپ کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں، وہ یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور تنگ دستی کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی، اور تم بے حیائی کے کاموں کے پاس نہ پھٹکو، خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ، اور اس جان کو قتل نہ کرو جس کا خون اللہ نے حرام کیا ہے سوائے حق کے، یہ ہے جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔)

یہ سن کر مفروق نے کہا خدا کی قسم یہ زمین والوں کا کلام نہیں۔ پھر اس نے کہا آپ ﷺ اور کس چیز کی طرف بلاتے ہیں، اس پر آپ نے سورہ نحل کی آیت تلاوت فرمائی :

{إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ}(2)

---

1 الانعام:151

2 النحل:90

(بے شک اللہ تعالیٰ تم کو عدل اور احسان کرنے اور قرابت داروں کو (ان کا حق) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بری بات اور ظلم سے منع کرتا ہے، تمہیں سمجھاتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔)

مفروق نے کہا خدا کی قسم آپ ﷺ نے نہایت پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ افعال کی طرف بلایا ہے۔ لیکن آپ کی قوم نے حق سے تجاوز کیا اور آپ کی تکذیب کی، پھر مفروق نے اپنی گفتگو میں ھانی بن قبیصہ کو بھی شریک کرنا چاہا اور کہنے لگا کہ یہ ہانی بن قبیصہ ہیں، یہ ہمارے بزرگ اور صاحبِ علم ہیں، پھر ہانی نے کہا کہ ہم نے آپ ﷺ کی گفتگو سنی ہماری رائے میں اگر ہم اپنا دین ترک کر دیں اور آپ ﷺ کے دین کی اتباع کریں تو یہ رائے کی لغزش اور ناعاقبت اندیشی کی دلیل ہوگی اور لغزش جلدی میں ہوتی ہے۔ ہمارے پیچھے جو قوم ہے وہ اس قسم کے معاہدے کو پسند نہیں کرے گی اس لئے ہم بھی لوٹتے ہیں آپ بھی لوٹ جایئے، ہم بھی حالات کا جائزہ لیتے ہیں آپ بھی لیں۔ پھر اس نے اپنی بات چیت میں مثنیٰ بن حارثہ کو شریک کرنا چاہا اور کہا کہ یہ مثنیٰ ہمارے بزرگ اور امور حرب کے ماہر ہیں، مثنیٰ نے کہا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنی ہے اور میرا جواب بھی وہی ہے جو ہانی نے دیا۔ اگر آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ ہم کسریٰ کو چھوڑ کر عرب کے مقابلے میں آپ کی مدد کریں تو ہم ایسا کرنے کو تیار ہیں۔ مگر اس کے لئے ہمیں کسریٰ سے کیا ہوا عہد چھوڑنا ہوگا اور میرے خیال میں آپ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں وہ بادشاہوں کو ناپسند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صاف گوئی کو پسند فرمایا اور فرمایا کہ دین اسلام انہی کی مدد کرتا ہے جو اسلام کو پوری طرح قبول کرتے ہیں اور تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم تھوڑے عرصے رکے رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کسریٰ کی سرزمین اور ان کے اموال کا وارث بنادے تو کیا تم اللہ کی تسبیح اور تقدیس بیان کروگے؟ یہ سن کر نعمان بن شریک نے کہا کہ کیا ایسا ممکن ہے؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

{يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (45) وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (46) وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا (47)}[1]

1 الاحزاب:45-47

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو گواہ، خوش خبری سنانے والا اور خبر دار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور (آپ کو) اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے) اور آپ مومنوں کو خوش خبری سنادیں۔)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے آئے۔ ان میں سے کسی کے مسلمان ہونے کا علم نہیں البتہ صحابہؓ میں سے ایک مثنیٰ بن حارثہ شیبانی تھے جو فارس کے سرداروں میں سے تھے، ممکن ہے کہ وہ یہی مثنیٰ ہوں جن کا ذکر ابھی اوپر ہوا[1]۔

حضرت رافع رضی اللہ عنہ قبیلہ خزرج کے ان چھ انصار سے پہلے اسلام لائے جو نبوت کے گیارہویں سال موسم حج میں مکہ مکرمہ آکر مسلمان ہوئے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا خالہ زاد بھائی معاذؓ بن عفرا جب مکہ مکرمہ پہنچے تو ہم نے ایک شخص کو درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے دیکھا، ہم نے کہا کہ اس سے طوافِ بیت اللہ کے لئے سواری مانگتے ہیں، جب ہم نے قریب پہنچ کر جاہلیت کے طرز پر سلام کیا تو اس نے اسلامی انداز میں جواب دیا، ہمیں یہ بات عجیب محسوس ہوئی، ہم نے پوچھا کہ آپؐ کون ہیں؟ اس نے ہمیں بیٹھنے کے لئے کہا، پھر ہم نے پوچھا کہ وہ شخص کہاں ہے جو فلاں فلاں دعوے (نبوت وغیرہ کے) کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ میں ہی ہوں، ہم نے کہا کہ ہمارے سامنے اسلامی تعلیمات پیش کیجئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے خیال میں آسمان اور زمین اور ان بلند پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا۔ ہم نے کہا کہ اللہ نے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کس نے پیدا کیا ہم نے جواب دیا کہ اللہ نے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ ان بتوں کو جن کو عام لوگ پوجتے ہیں کس نے تراشا ہم نے جواب دیا کہ ہم نے، پھر آپؐ نے فرمایا کہ عبادت کا مستحق خالق ہے یا مخلوق؟ ہم نے کہا خالق۔ آپ نے فرمایا کہ پس تم اس بات کے مستحق ہو کہ بت تمہاری عبادت کریں اور تم خدا کی عبادت کرو، اس لئے کہ بتوں کو تم نے بنایا ہے اور تم اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہو اور میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ صلہ رحمی کرو۔ ظلم و تعدی کو چھوڑ دو۔

1 الشامی، محمد بن یوسف الصالحي (المتوفی: 942ھ)۔ سبل الهدی والرشاد، في سيرة خير العباد، وذكر فضائله وأعلام نبوته وأفعاله وأحواله في المبدأ والمعاد۔ بیروت: دار الکتب العلمية، 1414ھ۔ ج2 ص454۔

حضرت رافع فرماتے ہیں کہ میں نے کہا بے شک آپ نے بلند اور پاکیزہ اخلاق کی طرف بلایا ہے۔ میں آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر حرم شریف میں پہنچا اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد سات تیر نکالے اور ان میں سے ایک تیر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا ٹھہرایا اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کرکے فال لینے کا ارادہ کیا اور دعا کی۔ ''اے اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی دعوت دیتے ہیں اگر وہ حق ہے تو اس تیر کو سات مرتبہ نکال دے''۔ اس کے بعد میں نے تیروں کو چھوڑا۔ حضور ﷺ کے نام کا تیر ساتوں مرتبہ نکلا مجھے اطمینان ہو گیا اور میں نے بلند آواز سے کہا أَشْهَدُ أَنّ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا الله وأَشْهَدُ ان محمداً رسول الله یہ سن کر لوگ میرے پاس اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے کہ مجنون شخص بے دین ہو گیا، میں نے کہا نہیں مومن ہو گیا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، مجھے دیکھ کر مُعاذ بن عفرا کہنے لگا کہ اے رفاعہ جس چہرے کے ساتھ تم گئے تھے آتے ہوئے وہ چہرہ نہیں ہے۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ یوسف اور علق کی تعلیم دی، پھر ہم واپس مدینے لوٹ آئے[1]۔

یہ انصارِ مدینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی مکالمہ تھا جس کے نتیجے میں ان کے اہم لوگوں نے نہ صرف بات مان لی بلکہ اسے آگے پہنچانے کا فرض بھی ادا کیا۔

خزرج کے وفد کا اسلام

مدینے میں زیادہ آبادی اوس و خزرج کی تھی۔ یہ لوگ مشرک اور بت پرست تھے۔ ان کے ساتھ یہودی بھی رہتے تھے، جو اہلِ کتاب اور اہلِ علم تھے۔ جب کبھی یہودیوں کا اوس و خزرج کے ساتھ کسی بات پر جھگڑا ہوتا تو یہودی کہتے کہ عن قریب ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں۔ ہم ان کی اتباع کریں گے اور ان کی معیت میں تمہیں قومِ عَادْ اور اِرَمْ کی طرح ہلاک و برباد کر دیں گے۔

نبوت کے گیارھویں سال اور جنگِ بعَاثْ کے بعد حج کے موسم میں (شامی نے ماہِ رجب ذکر کیا ہے) قبیلۂ خزرج کے چھ آدمی مکہ آئے۔ ان کے نام یہ ہیں: ۱۔ ابوامامہ اسعد بن زُرارہ، انہوں نے صحابہ میں سب سے پہلے ۱ھ میں وفات پائی، ۲۔ عوف بن الحارث، یہ بدر میں شہید ہوئے، ۳۔ رافع بن

1 شامی۔ سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد۔ ج3 ص190۔

مالک بن عجلان یہ جنگ احد میں شہید ہوئے، ۴۔ قطبہ بن عامر بن جدیدہ، یہ عقبہ کی دونوں بیعتوں میں شریک رہے، ۵۔ عقبہ بن عامر بن زید، ٦۔ جابر بن عبداللہ رئاب یہ جنگ بدر میں شریک تھے۔

یہ لوگ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہمارا تعلق قبیلۂ خزرج سے ہے۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا تم یہود کے حلیف ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، پھر آپ نے ان لوگوں کو بٹھایا اور ان پر اسلام پیش کیا اور قرآنِ کریم کی تلاوت فرمائی۔ بتوں سے نفرت دلائی، نیکی کی تعلیم دی اور برائیوں سے منع کرنے کا مکالہ فرمایا۔ ان لوگوں نے آپ ؐ کو فوراً پہچان لیا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ واللہ یہ وہی نبی ہیں جن کا یہود ذکر کیا کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہود اور قبیلہ اوس کے لوگ اس فضیلت و سعادت میں ہم پر سبقت لے جائیں۔ چنانچہ وہ سب اسی وقت ایمان لے آئے۔ یہ واقعہ ہجرت سے ۱۵ ماہ پہلے کا ہے۔ ان لوگوں نے مدینہ واپس جاکر خوش خبری سنائی کہ وہ نبی جس کا تمام عالم کو انتظار تھا آ گیا۔ ہم خود ان کے دیدار سے مشرف ہوئے اور ان کا کلام سنا اور انہوں نے ہمیں اس خدا سے ملا دیا جو زندہ رہنے والا ہے۔ اب ہمارے لئے دنیا کی زندگی اور موت کی کچھ حقیقت نہیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب ان حضرات نے جاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا تو کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہ ہو رہا ہو[1]۔

بعض اہلِ سیر مثلاً ابن سید الناسؒ اور شامیؒ وغیرہ نے اس واقعہ کو بیعتِ عقبہ اولیٰ قرار دیا ہے اور عقبہ اولیٰ کو عقبہ ثانیہ تحریر کیا ہے، اس طرح ایک ملاقات میں اور اس میں ہونے والے مکالمے کے ذریعے انصارِ مدینہ سے باضابطہ رابطے اور گفت وشند کی ابتدا ہوئی، جس کے نتیجے میں آگے چل کر ہجرت مدینہ جیسا عظیم الشان عمل سامنے آیا۔ لیکن چوں کہ اس موقع پر کوئی معاہدہ نہیں ہوا اس لئے بیعتِ عقبیٰ اولیٰ وہی ہے جو آگے آرہی ہے۔

بیعتِ عقبہ

نبوت کے بارھویں سال حج کے دنوں میں مدینہ منورہ کے ۱۲ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے مکے حاضر ہوئے۔ ان میں سے پانچ ۱۔ اسعد بن زرارہ، ۲۔ عوف بن

1 ابن ہشام۔ السیرۃ النبویۃ۔ ج1 ص429۔

حارث، ۳۔ رافع بن مالک، ۴۔ قطبہ بن عامر، ۵۔ عقبہ بن عامر تو ان ہی چھ آدمیوں میں سے تھے جو اس سے پہلے ۱۱ھ میں ایمان لائے تھے۔ سات آدمی نئے تھے، جن کے نام یہ ہیں: ۶۔ معاذ بن حارث (عوف بن حارث کے بھائی)، ۷۔ ذکوان بن عبد قیس، ۸۔ عبادہ بن صامت، ۹۔ یزید بن ثعلبہ، ۱۰۔ عباس بن عبادہ بن نضلہ، ۱۱۔ ابوالہیثم مالک بن تیہان، ۱۲- عویم بن ساعدہ، ان میں سے ذکوان بیعت کے بعد مکہ میں ہی ٹھہر گئے تھے اور بعد میں ہجرت کی اس لئے وہ انصاری بھی ہیں مہاجر بھی۔ان بارہ حضرات نے منیٰ میں، عقبہ کے قریب، رات کے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مندرجہ ذیل امور پر بیعت کی۔اس کو بیعت عقبہ کہتے ہیں۔

1 ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے،اور صرف اسی کی عبادت کریں گے۔
2 چوری اور زنا نہیں کریں گے۔
3 اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔
4 کسی پر تہمت نہیں لگائیں گے۔
5 ہر اچھی بات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے۔

اگر یہ شرائط پوری کریں تو ان کے لئے جنت ہو گی، ورنہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہو گا چاہے وہ عذاب دے چاہے وہ بخش دے[1]۔

اگلے سال ۱۳ نبوی میں حضرت مصعب بن عمیرؓ مسلمانوں کے ایک گروہ کو اپنے ہم راہ لے کر حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کے علاوہ اوس و خزرج کے مشرکین بھی قافلہ میں شامل تھے۔ جن کی تعداد حاکم نے ۵۰۰ بیان کی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد ۷۵ تھی (۷۳ مرد، ۲ عورتیں) ان مسلمانوں نے ایامِ تشریق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسی گھاٹی میں بیعت کی جس میں گزشتہ سال انصار کے بارہ آدمیوں نے کی تھی، اس بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔

1 ابن سید الناس۔ عیون الأثر۔ ج1 ص183۔

لوگوں نے بیعت کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت دی، حضرت عباسؓ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے آپ کے ساتھ تھے، انہوں نے انصار سے مخاطب ہو کر کہا کہ لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ قریش کے لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جانی دشمن ہیں۔ تم ان سے کوئی عہد یا اقرار کرنے سے پہلے سوچ لینا کہ یہ نازک اور مشکل کام ہے، جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو ورنہ بہتر ہے کہ کچھ بھی نہ کرو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم میں نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور ہم ان کے حامی و مددگار ہیں۔ اگر تم ان کی پوری پوری حمایت و حفاظت کر سکو اور مرتے دم تک اس پر قائم رہو تو ٹھیک ہے ورنہ ابھی کہہ دو تاکہ بعد میں تمہیں شرمساری نہ اٹھانی پڑے اور دشمنوں کی عداوت کا نشانہ نہ بننا پڑے۔ انصار نے جواب دیا۔ ''اے عباسؓ جو کچھ تم نے کہا ہم نے سن لیا اور سمجھ لیا۔ '' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے لئے اور اللہ کے لئے جو چاہیں ہم سے عہد لے لیں۔ ہم اس کے لئے حاضر ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اللہ کا کلام پڑھ کر سنایا اور اسلام پیش کیا اور فرمایا کہ اللہ کی عبادت اور بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، دین کی تبلیغ و اشاعت میں میری پوری پوری مدد و اعانت کرو اور جب میں اور میرے ساتھی تمہارے شہر میں جائیں تو ہماری حمایت و حفاظت اسی طرح کرو جس طرح اپنی اور اپنے اہل و عیال کی کرتے ہو۔ اور خوشی و رنج و راحت اور غربت و افلاس، ہر حال میں میری اطاعت کرو اور جو میں کہوں وہ سنو اور اس پر عمل کرو۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ اگر ہم ایسا کریں تو ہمیں اس کا کیا بدلہ ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ جنت یعنی آخرت کی نعمتیں جو کبھی ختم نہ ہوں گی۔ ابوالہیثم بن تیہان نے عرض کیا کہ ہم میں اور یہود میں کچھ تعلقات قائم ہیں، آپ سے تعلق قائم ہونے کے بعد ان سے ہمارے تعلقات ختم ہو جائیں گے، ایسا نہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو فتح و کامرانی نصیب فرمائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر مکہ مکرمہ واپس چلے جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا۔ ''ہر گز نہیں۔ میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہوگا تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ جس سے تمہاری جنگ ہے اس سے میری جنگ ہے [1]۔ ملاحظہ ہو کہ اس نازک موقع پر انصارِ مدینہ سے اس مکالمے کا اختتام کس بات پر ہو رہا ہے؟ دونوں فریق اپنے لیے دینا میں کچھ طلب نہیں کرتے؟ اور انصارِ مدینہ کو جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی چیز مطلوب ہی نہیں ہے۔ تمہاری صلح ہے اس سے میری بھی صلح ہے۔

خلاصہ کلام

عہد نبوی کے تین بڑے طبقات یعنی مشرکین مکہ، انصارِ مدینہ اور نصاریٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمے آپ نے ملاحظہ کیے۔ ان مکالموں اور بعض دیگر نصوص سے سامنے آنے والی ہدایات ذکر کی جاتی ہیں، جن کی روشنی میں ہم عہد حاضر میں مکالمے کی حدود اور ضابطے متعین کر سکتے ہیں۔

1 مکالمے سے قبل اپنا موقف واضح ہونا اور اس پر غیر متزلزل اعتماد نہایت ضروری ہے۔

2 پھر صرف اعتماد کافی نہیں، جرأتِ اظہار بھی ضروری ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے مطالبے کے جواب میں جب یہ فرمایا تھا کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیا جائے تب بھی میں اپنے موقف سے دست بردار نہیں ہوں گا تو اس میں جہاں اپنے موقف پر غیر متزلزل اعتماد پنہاں تھا وہیں جرأت اظہار کا عمل بھی اپنی معراج پر نظر آتا ہے۔

3 مکالمہ صرف ان امور پر ہوگا جو دونوں فریقوں کے مابین مسلم ہوں اور جن پر دونوں کا اتفاق ہو۔

4 مکالمے کا مطلب اپنے موقف کو ترک کرنا، یا اساسیات، مسلّمات اور طے شدہ اصولوں کو چھوڑ دینا قطعاً نہیں ہے۔

5 مکالمہ ان صورتوں میں ممکن ہے:

i. ایسے عنوانات اور مباحث جن میں دونوں فریقوں کا مشترکہ مفاد وابستہ ہو۔

ii. جن امور سے دونوں فریق دل چسپی رکھتے ہوں۔

---

1 شامی۔ سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد۔ ج3 ص197۔

iii. جن امور سے دونوں فریقوں کو مستقبل میں خطرات در پیش ہوں۔

6 مکالمے سے قبل اہل مکالمہ کی تربیت بھی نہایت ضروری ہے ورنہ مداہنت کا خطرہ در پیش رہے گا اور کسی ایسی بات کا اظہار بھی ممکن ہے جو اصولی طور پر درست نہ ہو۔

7 قرآن کریم میں {وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ}[1] فرمایا گیا ہے، مکالمے میں جدال کے اصلی عربی مفہوم کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔

مجادلہ کے لفظ کو بہت سے اردو داں، اردو کے جنگ و جدل کے مفہوم میں یا اس کے قریب قریب کسی منفی تصور میں سمجھتے ہیں، وہ صحیح نہیں ہے۔ عربی زبان میں مجادلے کا مفہوم اگر ہو سکتا ہے تو قریب قریب فکری یا دینی مباحثہ، انٹیلکیچوئل ڈیبیٹ یا اکیڈمک ڈیبیٹ ہو سکتا ہے۔ کسی ایسے شخص سے جس کا نقطۂ نظر آپ کے نقطۂ نظر سے مختلف ہو، آپ استدلال کے انداز میں تبادلۂ خیال کریں۔ اپنا مؤقف دلائل کے ساتھ اس کے سامنے بیان کریں اور دلائل کے ساتھ اس کا مؤقف آپ سنیں اور ان دونوں مؤقفوں کو بیان کرنے، سننے کے بعد پھر جو مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کی روشنی میں حاصل کریں۔ اس کام کے لئے قرآن پاک میں سابقہ انبیائے کرام کے مجادلات کی مثالیں بھی ملتی ہیں[2]۔

8 مکالمے کے لیے ایک قرآنی ہدایت یہ بھی ہے کہ:

{وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ}[3] (اور (اے مسلمانو) یہ مشرک اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں تم ان کو برا بھلا مت کہو۔) اسی لیے ضروری ہے کہ مکالمے میں ذاتی طعن و تشنیع اور دونوں جانب کی قیادت کو برا بھلا کہنے سے احتراز کیا جائے۔

9 مکالمے میں نہایت ضروری ہے کہ مناظرے کا رنگ پیدا نہ ہو جس کا اپنا الگ مزاج ہے جو مکالمے کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

---

1 النحل:125

2 ڈاکٹر محمود احمد غازی۔ اسلام اور مغرب تعلقات۔ دار العلم والتحقیق برائے اعلیٰ تعلیم و ٹیکنالوجی، کراچی۔

3 الأنعام:108

10 مکالمے سے مراد معاملے کو طول دینا بھی نہیں ہے جیسا کہ آج کل بہت سے امور میں اس بات کو بہ طور حربہ استعمال کیا جاتا ہے۔

11 مکالمہ ایک وقتی عمل ہے جس کے ذریعے صورت حال میں موجود شدت کم کی جاتی ہے، کشیدگی کو ختم کیا جاتا ہے اور بات چیت میں موجود تعطل اور تعلقات کی سرد مہری کو نرم کرنے کے لیے مکالمہ مفید ہوتا ہے۔

12 لیکن مکالمہ بذات خود ایک دعوتی عمل بھی بن سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مبارک بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً[1] (میری طرف سے آگے پہنچاؤ، خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔) کے بموجب یہ ذمہ داری ہر مسلمان کی ہے۔ لیکن مکالمے کے ذریعے استدلال اور منطق کو استعمال کر کے زیادہ بہتر انداز میں اللہ اور رسول ﷺ کی بات پہنچائی جا سکتی ہے۔

13 مکالمے کے لیے ایک شرط تعصب سے آزاد ہونا بھی ہے، جس کے بغیر نہ کھل کر بات ہو سکتی ہے نہ درست نتائج سامنے آ سکتے ہیں۔

14 اگر مسلم امہ کو مکالمے کے ذریعے اپنا پیغام دنیائے مغرب کو پہنچانا ہے، تو اس کے لیے تیاری کی ضرورت ہے، جس کے لیے چند نکات پیش نظر رہنے چاہییں:

i. ایسے رجال کار کی تیاری، جو اس فریضے کی ادائیگی کے لیے ذہناً، علماً اور فکری طور پر تیار ہوں۔

ii. مسلم امہ کا موقف انہیں از بر ہو۔

iii. بات کہنے کا سلیقہ آتا ہو، اور جدید اسالیب سے مکمل طور پر آگاہ ہوں۔

iv. مکالمے کی تیکنک سے واقف ہوں ورنہ جیتی ہوئی جنگ مکالمہ و مذاکرہ کی میز پر بھی ہاری جا سکتی ہے۔

v. حالات کی نبض شناسی کا ہنر آتا ہو اور تبدیل ہوتی فضا سے ہمہ وقت واقف ہوں۔

یہ چند نکات پیش نظر رہیں تو مکالمے کی افادیت دوچند ہو سکتی ہے۔

---

1 بخاری۔ كِتَابُ أَحَادِيثِ الأَنْبِيَاءِ ، بَابُ مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، رقم الحدیث: 3461۔ ج4 ص170۔